رئیس احمد جعفری

اسلام اور تعاون باہمی

اسلام نے زندگی کے مختلف شعبوں میں کس طرح رہنمائی کر کے راہ صواب متعین کی ہے۔ اس مضمون میں اسی پہلو کو اجاگر کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

●

کوئی معاشرہ اس وقت تک عروج و فروغ نہیں حاصل کر سکتا جب تک اس میں اتحاد و اتفاق نہ ہو، اخوت اور رفق و مدارا نہ ہو۔ جب تک اس کے افراد ایسے رشتہ میں مربوط نہ ہوں جو انھیں ایک جان دو قالب کر دے۔ اتنا گہرا ربط و تعلق اشتراک فکر و عقائد ہی سے پیدا ہو سکتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو افراد معاشرہ کو ایثار اور تعاون باہمی کا پیکر بنا دیتی ہے۔ اور اگر یہ چیز نہ ہو تو بڑے سے بڑا معاشرہ بھی، جلد یا بدیر ریت کے ذروں کی طرح منتشر ہو جاتا ہے۔ اس کی اہمیت اور افادیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی قوت و طاقت ضعف سے بدل جاتی ہے۔ اس کا اقتدار اور دبدبہ افسانۂ پارینہ بن جاتا ہے۔

مکہ کی گھاٹیوں سے جب اسلام کا سورج طلوع ہوا تو حالات حد درجہ نامساعد تھے۔ ایک طرف پوری قوم تھی، جو اپنے آبائی عقائد کے خلاف ایک لفظ بھی سننا نہیں چاہتی تھی، اور اس قوم کے پاس کیا کچھ نہ تھا؟ اکثریت تھی، دولت تھی، وسائل و ذرائع تھے۔ قوت و حشمت تھی۔ دوسری طرف تن تنہا ایک ہستی تھی جس کے پاس تائید الٰہی کے سوا کچھ نہ تھا۔ نہ حامیوں کی فوج، نہ دولت و

ثروت کا انبار، نہ قوت وطاقت کا دبدبہ، نہ اعوان وانصار کے گروہ، نہ وسائل وذرائع!
اس ایک ہستیؐ میں۔ اور پوری قوم میں ٹکر ہوئی۔ اور جیت اس کے حصہ میں آئی جس کے پاس
سامان ظاہری میں سے کچھ نہ تھا۔ اور شکست سے اسے دوچار ہونا پڑا جس کے پاس سب کچھ تھا
— وہ تن تنہا ہستی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، اور وہ قوم مشرکین عرب کی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریک کی کامیابی بلاشبہ تائیدِ ایزدی کا کرشمہ تھی۔ وہ خدا کی طرف دعوت تھی۔ کلمۃ اللہ کی سربلندی کی تحریک تھی۔ خدا اس کی مدد نہ کرتا تو کون کرتا؟ لیکن ظاہری اسباب پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ اس تحریک کی کامیابی کا تمام تر انحصار ایثار و تعاون کے اس جذبہ پر تھا جو آپؐ نے اپنے ماننے والوں اور پیروؤں میں پیدا کر دیا تھا۔ اور یہ تعاون کرشمہ تھا آپؐ کی شخصیت کا، یہ وہ شخصیت تھی جس پر انگشت نمائی، خوردہ گیری اور ایراد وطعن کی جرأت بدترین دشمن بھی نہیں کر سکتے تھے۔ جن کے لیے آپؐ کی دعوت ایک ضربِ شدید تھی۔ وہ بھی آپ کی دیانت و امانت اور صداقت وراستی کے ثناخواں تھے۔ ان اوصافِ حمیدہ نے جس شخصیت کی تشکیل کی، اس سے، اس کی دعوت سے، اور اس کے پیام سے انھوں نے بھی تعاون کیا جو مدح خواں تھے۔ اور انھوں نے بھی جو اس دعوت اور تحریک کے مخالف تھے، یا کم از کم اس سے کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے۔

ابوطالب آپؐ کے چچا تھے۔ انھوں نے آخر وقت تک بقول اکثر اسلام قبول نہیں کیا، لیکن ان کے تعاون نے تحریک اسلام کے فروغ میں کتنا حصہ لیا اس سے تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے۔

آپؐ پر جب پہلی وحی نازل ہوئی، اور آپؐ پر اضطراب وسراسیمگی کی کیفیت طاری ہوئی تو وہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا تھیں جنھوں نے آپ کو ڈھارس دی، اور ان کا وہ مالی تعاون ہی تھا جس نے مکہ میں آپؐ کو خانگی معاملات سے یکسو کر کے تبلیغ اسلام کی طرف ہمہ تن متوجہ کر دیا۔

پھر جب آپؐ نے ہجرت کا فیصلہ کیا تو رفیقِ غار وقبر ابوصدیق رضی اللہ عنہ کا تعاون تھا کہ اپنی اور اپنے

اہل و عیال کی زندگی خطرے میں ڈال کر ہم کاب چلنے پر تیار ہو گئے اور "انت منی بمنزلۃ ھارون" علی مرتضیٰؓ کا تعاون یہ تھا کہ وہ اس بستر پر آرام سے لیٹ گئے جو بستر مرگ بن سکتا تھا۔

ہجرت کے بعد جب آپؐ مدینہ پہنچے تو انصار نے دیدہ و دل فرش راہ کر دیے۔

یہ لوگ جو آپؐ کے ساتھ مدینہ پہنچے تھے، خانماں برباد تھے۔ ان کا سب کچھ چھن چکا تھا۔ یہ سب کچھ حتیٰ کہ فرزند و زن تک پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ ان کے پاس نہ رہنے کو گھر تھا۔ نہ کھانے کو روٹی، نہ پہننے کو کپڑا، نہ زندگی قائم رکھنے کے لیے وسائل حیات۔

لیکن مدینہ کے انصار جو صدق دل سے اسلام قبول کر چکے تھے، اور ذات رسالتمآبؐ سے والہانہ شیفتگی رکھتے تھے، ایثار و تعاون کے لیے آگے بڑھے۔ آپؐ نے مواخاۃ کی تجویز سامنے رکھی، اور لبیک لبیک کہہ کر شمع رسالت کے پروانوں نے یہ تجویز قبول کر لی اور اس خلوص اور سچائی کے ساتھ قبول کی کہ جس کے حصہ میں جو بھائی آیا وہ اس حصہ کا مالک بن گیا جو ایک بھائی کا حق ہوتا ہے۔ حد یہ ہے کہ ایک انصاری نے ایک مہاجر سے جوش اخوت میں یہ تک کہہ دیا کہ میری دو بیویاں ہیں اور آپ یہاں مجرد ہیں، میں ایک کو طلاق دے دیتا ہوں آپ اس سے شادی کر لیں۔

تعاون کی یہ مثال دنیا کی کوئی قوم نہیں پیش کر سکتی، اور

یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے رہزن\
کھینے جاتے تھے ایواں گہ کسریٰ میں نزکار

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قوم کی تشکیل فرمائی تھی، وہ جغرافی حدود و ثغور سے ماورا تھی — گھر میرا نہ دلی، نہ صفاہاں نہ سمرقند! - اس کا وطن پہنائی عالم تھا۔ یہ دنیا کی رشد و ہدایت پر مامور تھی۔ پس ضرور تھا کہ اس قوم کا ہر فرد ایک دوسرے سے اس طرح وابستہ اور مربوط ہو جیسے زنجیر کی کڑیاں۔ اور آپؐ کے اسوۂ حسنہ اور تعلیم و تلقین نے اس نئی اور دنیا کے لیے اجنبی قوم میں یہ جذبہ پوری شدت کے ساتھ بدرجۂ اتم پیدا کر دیا تھا۔ مسلمانوں

کے تعاون باہمی نے انھیں بنیان مرصوص بنا دیا اور جو قوت ان سے ٹکرائی پارہ پارہ ہو گئی۔ وہ زنگ خوردہ نیزے، ٹوٹی تلوار اور ٹوٹے ہوئے نیزے لے کر نکلے، اور ان عساکر قاہرہ کو انھوں نے شکست دیدی، جن کے پاس مور و ملخ کی طرح سپاہی تھے۔ جن کے خزانے سیم و زر سے بھرے ہوئے تھے جن کے پاس ساز و سامان جنگ ضرورت سے بہت زیادہ تھا۔

وہ تہذیب ناآشنا، جاہل، خودسر اور جنگ باہمی کی مریض قوم جو صرف اپنوں کا خون بہانا جانتی تھی، جس کی آتش خوئی بات بات پر بزم احباب کو میدانِ جنگ میں تبدیل کر دیتی تھی۔ جو کسی اصول کی پابند نہ تھی۔ جس کے اخلاقیات کا بڑا حصہ جرائم، معاصی اور بربریت پر مشتمل تھا، دفعتہً ایک ایسی قوم بن گئی جس نے روم کی عظمت دیرینہ کو پاؤں تلے روند ڈالا۔ جس نے کسریٰ کی شہنشاہیت کا چراغ گل کر دیا۔ جو عرب کے ریگ زار سے اٹھی اور بہت مختصر سی مدت میں ایران کی مالک بن گئی۔ مصر کو فتح کر لیا۔ شام اور عراق کو زیرنگیں کر لیا۔ پھر اور آگے بڑھی اس کے قدم یورپ کی طرف اٹھنے لگے۔ اس نے اسپین کو فتح کر لیا۔ اور اس قوم بربر کے اشتراک و تعاون سے فتح کیا جو عادات و خصائل میں خود اسی کی طرح ناتراشیدہ تھی۔

تاریخ کے یہ معجزات تمام تر نتیجہ تھے ان تعلیمات نبویؐ کا جو اخوت اور ایثار اور تعاون باہمی پر مبنی تھیں۔

جب تک مسلمان اس جوہر سے محروم نہیں ہوئے ان کے قدم برابر آگے بڑھتے رہے ـــــ رکتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا۔ اور یہ سیلِ سبک سیر روز میں گیر مشرق و مغرب جنوب و شمال ہر طرف بڑھ رہا تھا۔ دنیا کا ہر گوشہ اور خطہ اس کی زد میں تھا، اور کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی اسے روکنے پر قادر نہیں تھی۔

اگر استقصار کیا جائے تو یہ حقیقت آفتاب عالمتاب کی طرح روشن نظر آئے گی کہ جب تک تعاون باہمی کے جذبہ سے کام کرتے رہے انھیں کبھی شکست نہیں ہوئی۔ وہ کبھی ناکام نہیں ہوئے۔ فتح و کامرانی ان کے جلو میں چلتی رہی، اور جب اس جوہر سے محروم ہو گئے تو ان کی سلطنتیں

مٹ گئیں۔ ان کی قوت پراگندہ ہو گئی۔ ان کی ہیئت ایک افسانۂ پارینہ بن گئی اور انھیں محکوموں کا محکوم بن جانا پڑا۔ تاریخ بڑی بے درد اور بے مروّت ہوتی ہے۔ نہ وہ کسی کی دوست ہوتی ہے نہ دشمن۔ نہ کسی کے ساتھ رعایت کرتی ہے نہ زیادتی۔ وہ تو ایک آئینہ ہے جس میں خوب و زشت کا نظارہ کر لیا جا سکتا ہے۔ تاریخ کے اوراق کھنگالیے اور حقیقت کو براگندہ نقاب دیکھ لیجیے ـــــ دیکھ لیں ـــــ آغاز میں ہم کیا تھے، انجام میں ہم کیا ہیں؟

لیکن زمانہ ایک ہی نہج پر ٹھہرا نہیں رہتا۔ جس طرح افراد بیمار پڑتے، تندرست ہوتے، پھر بیمار پڑتے اور مر جاتے ہیں۔ اسی طرح قومیں بھی ان مرحلوں سے گزرتی ہیں۔ ان پر بیماری طاری ہوتی ہے۔ وہ بھی علاج معالجہ کے بعد تندرست و توانا ہوتی ہیں۔ وہ بھی بدپرہیزی اور غفلت اور بداحتیاطی کے باعث پھر بستر علالت پر دراز ہوتی ہیں۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ بستر علالت بستر مرگ بن جاتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس بستر علالت سے وہ ایک مرتبہ پھر انگڑائی لے کر اٹھتی ہیں اور حیاتِ نو سے آشنا ہو جاتی ہیں۔

مسلمان قوم بھی صحت و علالت کے کئی مرحلوں سے گزر چکی ہے۔ وہ بار بار عروج و زوال سے تو ضرور آشنا ہوئی لیکن موت کا پنجہ اس کے گلے تک نہیں پہنچ سکا۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں۔ کہ اس میں زندگی کی رمق باقی ہے۔ وہ ایک مرتبہ علیٰ رغم الفِ اعدا حیاتِ نو سے آشنا ہو سکتی ہے، اور اقبال کی یہ حسرت پوری ہو سکتی ہے

سبق پھر پڑھ عدالت کا، صداقت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

لیکن یہ سبق اس وقت تک ازبر نہیں ہو سکتا جب تک وہ ابتدائی سبق اشتراک اور تعاون باہمی کا یاد نہ کر لیا جائے۔ جس نے مسلمان قوم کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دیا تھا۔ آج مسلمان وحدتِ کلمہ کے باوجود اجزائے پریشاں کی صورت میں ادھر ادھر بکھرے ہوئے ہیں۔ وہ اسلام کے نام پر مجتمع نہیں ہوتے۔ مسلمان کی حیثیت سے تعاون باہمی

نہیں کرتے۔ وہ اسلام لیگ بناتے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔ عرب لیگ ان کی غایت مقصود ہے۔ وہ قومیت، وطنیت اور وقت کی پیدا کی ہوئی دوسری تحریکوں سے دابستگی پر فخر کرتے ہیں لیکن باہمی تعاون سے ایک ایسی قوم نہیں بنتے جسے ٹیڑھی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت کوئی نہ کر سکے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ ازاں راندہ و ازیں سو درماندہ ہوئے ہیں:

متاعِ دین و دانش مٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خوں ریز ہے ساقی؟

اور یہ غمزۂ خوں ریز اسلام کے بتائے ہوئے اور داعی اسلام علیہ ولتحیۃ والسلام کے نطق گوہر بار سے انحراف کے سوا اور کچھ نہیں ہے! ورنہ:

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

لیکن ابراہیمؑ کا ایمان، اور آگ کا اندازِ گلستاں اسی وقت مضمر ہے جب مسلمان پھر اسی چھوڑے ہوئے راستہ کی رہبری شروع کر دیں جو انھیں منزلِ مقصود کی طرف لے جا سکتا ہے۔ اس راستے کو ترک کر دیں جو انھیں ہلاکت اور بربادی کی طرف لیے جا رہا ہے۔ اور وہ راستہ جو انھیں منزلِ مقصود کی طرف لے جا سکتا ہے اسلام کی طرف رجعت ہے۔ یا برنارڈ شا کے الفاظ میں ——— Back To Mohammad جو اس نے مولانا محمد علی مرحوم کے انتقال پر اظہار خیال کرتے ہوئے مسلمانوں کے لیے لازمی قرار دیا تھا۔

احادیث و اخبار کا اگر سرسری نظر سے بھی مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ مختصر اسلوب اور پیرایہ کے ساتھ آپؐ نے بار بار اور زیادہ سے زیادہ جو نصیحت مسلمانوں کو کی ہے وہ یہی تعاون باہمی ہے ——— پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ۔

صحیح بخاری میں حضرت جریرؓ بن عبداللہ کی روایت ہے کہ:

"میں نے رسول اللہؐ سے نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر

بیعت کی ہے!"

مسلمانوں میں اگر خیر خواہی کا رشتہ قائم ہو جائے تو اشتراک و تعاون باہمی کی اس سے بہتر بھی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟

اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ آنحضرتؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

"مومن مومن کے لیے بنیاد کی اینٹ ہے جس کو ایک دوسرے سے تقویت ملتی ہے۔ پھر آپؐ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے سے پیوستہ کیا۔

یعنی انگلیوں کو ایک دوسرے سے پیوست کر کے بتایا کہ مسلمان کی شان یہ ہونی چاہیے۔

اسی طرح حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کی روایت ہے۔ فرماتے ہیں، میں نے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تم میں سے ہر شخص راعی ہے، اور اپنی رعیت کا جواب دہ اور ذمہ دار ہے۔ امام راعی ہے اس سے رعیت کے بارے میں پوچھ گچھ ہو گی، مرد اپنے گھر کا راعی ہے اور وہ اپنی رعیت کا متولی ہے۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی راعی ہے وہ اپنی رعیت کی جواب دہ ہے۔ خادم اپنے آقا کے مال کا راعی ہے۔ اور وہ اپنی رعیت کا ذمہ دار ہے۔"

امیر ملت سے لے کر گھر کے خادم تک سب ایک دوسرے کی خیر خواہی، ایک دوسرے سے تعاون پر مجبور ہیں۔ اور اگر وہ اپنی اس ذمہ داری سے غفلت برتتے ہیں تو عنداللہ مسئول ہیں۔

اسی طرح حضرت زینبؓ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی روایت کرتی ہیں:

"میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ میں نے دیکھا ایک انصاریہ بھی کھڑی ہے اور اسے بھی وہی ضرورت ہے جو مجھے تھی۔ اتنے میں بلالؓ ہمارے پاس سے گزرے۔ ہم نے کہا ذرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر دیں اگر میں اپنے شوہر اور اپنے زیر تربیت یتیموں پر خرچ کروں تو جزا ملے گی؟

بلالؓ نے حضرتؐ سے پوچھا آپؐ نے فرمایا" ہاں اس کے لیے دو اجر ہیں، ایک قرابت کا دوسرے صدقہ کا!"

خیرات گھر سے شروع ہوتی ہے۔ تعاون کا آغاز بھی اہل خاندان سے ہونا چاہیے۔ یہی چیز آگے چل کر ایک بڑے مقصد کے حصول کا سبب بن جاتی ہے۔

دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں ہے جو سود نہ لیتی ہو۔ یہ ذاتی اور اجتماعی کاروبار کی روح ہے لیکن اسلام نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ سود کا لین دین باہمی تعاون کی روح کو کچل دیتا ہے، اور انسان کے قلب کو زنگ آلود کر دیتا ہے۔ وہ انسانی رشتہ سے ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتا بلکہ اس کاروبار کے ذریعہ اس کے کپڑے تک اتار لیتا ہے۔

حضرت سمرہؓ بن جندب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" میں نے ایک رات دو آدمیوں کو دیکھا جو میرے پاس آئے اور مجھے ایک مقدس سرزمین کی طرف لے گئے۔ ہم چلتے رہے یہاں تک کہ ایک نہر کے پاس پہنچے جو خون کی تھی۔ نہر میں ایک آدمی کھڑا تھا اور وسط نہر میں ایک آدمی تھا جس کے ہاتھوں میں بہت سے پتھر تھے۔ پھر وہ اس آدمی کی طرف متوجہ ہوا جو نہر میں تھا۔ جب وہ نہر سے باہر نکلنے کا ارادہ کرتا تھا تو وہ آدمی پتھر پھینک کر اس کے منہ پر مارتا تھا۔ وہ پھر لوٹ جاتا۔ جب بھی نکلنے کا ارادہ کرتا یہی ہوتا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟

تو اس آدمی نے کہا" سود خوار"۔

زمین کا مالک جاگیردار ہو یا حکومت، اگر وہ زمین اس کے کام میں نہیں آتی تو جذبۂ تعاون و خیر خواہی کا تقاضہ یہ ہے کہ اسے دیدی جائے جو اس سے کام لے سکے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" اگر کسی کے پاس زمین ہو تو اسے چاہیے کہ کاشت کرے۔ ورنہ اپنے کسی بھائی کو دیدے"۔

حضرت ابوہریرہؓ کی ایک اور حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تین آدمیوں کی طرف اللہ رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا۔ نہ ان کے گناہ معاف ہوں گے۔ انھیں سخت عذاب دیا جائے گا۔"

اس حدیث میں پہلے شخص کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

"جس کے پاس ضرورت سے زیادہ پانی ہو، وہ راستے میں ہو، مگر اس سے مسافر کو روکے!"

مذکورہ دونوں احادیث سے نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ چیزیں جن کا شمار ضروریات زندگی میں ہوتا ہے درحقیقت کسی شخص کی ملکیت نہیں بلکہ اس کے پاس امانت ہیں۔ ان سے دوسروں کو جو ضرورت مند ہوں بہرہ ور ہونے کا موقعہ دینا چاہیے۔ یہی وہ جذبۂ خیر خواہی اور تعاون ہے جو ایک قوم کو فولاد و آہن بنا دیتا ہے ـــــ جس کی زد کھا کے بکھر جاتے ہیں اوراقِ دیار

تعاون کسی ایک حد تک محدود نہیں ہے، کسی خاص چیز کے ساتھ وابستہ نہیں ہے، اس کے بہت سے روپ ہیں۔ یہ ہر موقع پر بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تو اپنے بھائی کی مدد کر، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ صحابہؓ نے عرض کیا اگر وہ مظلوم ہے ہم اس کی مدد کریں گے۔ لیکن اگر ظالم ہے تو کیونکر اس کی مدد کر سکیں گے؟

فرمایا: اس کے ہاتھ پکڑ لے!"

اس مقصد کی حامل ایک اور حدیث بھی ہے۔

حضرت سعیدؓ بن زیدؓ روایت کرتے ہیں:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جو شخص ذرا سی بھی زمین از راہ ظلم لے گا تو زمین کے ساتوں طبقے اس کی گردن میں لٹکا دیئے جائیں گے۔"

ہم اپنی روزمرّہ کی زندگی میں بہت سی باتیں ایسی کر گزرتے ہیں جو آداب تعاون کے خلاف ہیں جن سے دوسروں کے حقوق پامال ہوتے ہیں اور جو بظاہر بالکل معمولی باتیں ہیں لیکن

درحقیقت ان کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضؓ روایت کرتے ہیں کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ راستوں پر بیٹھنے سے اجتناب کرو۔ صحابہ رضؓ نے عرض کیا ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کیونکہ وہی تو ہماری نشست کے مقامات ہیں جہاں ہم بات چیت کرتے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا، اگر تم وہاں بیٹھنا چاہتے ہو تو:

راستے کا حق چھوڑ دیا کرو۔

صحابہ رضؓ نے عرض کیا،

راستے کا حق کیا ہے؟

آپؐ نے فرمایا:

آنکھوں کا نیچا رکھنا۔

ایذا رسانی سے باز رہنا۔

سلام کا جواب دینا۔

اچھی بات کی ترغیب دینا۔

اور بُری بات سے روکنا۔

کیا اس سے بڑھ کر بھی تعاون باہمی کا کوئی نظام ہو سکتا ہے؟

انسانی سوسائٹی میں بیوہ عورت بے سہارا ہوتی ہے۔ اس کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا شوہر کے ساتھ بالعموم اس کے وسائل حیات ختم ہو جاتے ہیں، اور وہ فقر و تنگ دستی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

اسی طرح وہ شخص جو عرف عام میں مسکین کہلاتا ہے، اور کوئی ذریعۂ آمدنی نہیں رکھتا، ایک ایسا شخص ہے جس کا دین تک خطرہ میں ہے ——— کاد الفقر ان یکون کفراً، یہ بالآخر

انسان کو کفر کے دروازے تک پہنچا دیتا ہے۔ لیکن اگر معاشرہ شعور و احساس ملی کی دولت سے مالا مال ہو تو وہ بیوہ اور مسکین کو کس مپرسی کے عالم میں نہیں چھوڑ سکتا۔ اس غربت اور بے چارگی کے عالم میں وہ ان سے تعاون کرے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بیوہ اور مسکین پر خرچ کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ یا قائم اللیل اور صائم النہار کی طرح ہے۔

کیا تعاون باہمی کے اس سے بڑے معاوضے کی بھی توقع کی جا سکتی ہے؟ کیا کچھ دے کر خدا کی بارگاہ سے بہت کچھ حاصل کر لینے کا یہ بہترین ذریعہ نہیں ہے؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے لیے پوری پابندی کرنے والے انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنے والے رہو اور کسی خاص لوگوں کی عداوت تم کو اس پر باعث نہ ہو جائے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کیا کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمھارے اعمال کی پوری اطلاع ہے۔

'المائدہ'

○